عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی!!

ادارہ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ماہنامہ غزالی

محرم ۱۴۲۴ھ/مارچ ۲۰۰۳ء

زیرِ سرپرستی: مولانا پروفیسر ڈاکٹر میاں سعید اللہ جان دامت برکاتہم

بانی: ڈاکٹر فدا محمد مدظلہٗ (خلیفہ مولانا محمد اشرف خان سلیمانیؒ)

مدیر مسئول: ثاقب علی خان

مجلس مشاورت: مولانا محمد امین دوست، پروفیسر مسرت حسین شاہ، بشیر احمد طارق، قاضی فضل واحد، مولانا طارق علی شاہ بخاری۔

فہرست

عنوان	صاحب مضمون	صفحہ نمبر
ابتدائیہ	حضرت ڈاکٹر فدا محمد مدظلہٗ	۳
اسلام میں مسجد کی اہمیت	حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ	۷
اصلاحی مجلس	حضرت ڈاکٹر فدا محمد مدظلہٗ	۱۳
کچھ ''ڈارون'' کے متعلق	حضرت ڈاکٹر فدا محمد مدظلہٗ	۲۲
آداب جمعۃ المبارک	ماخوذ از کیمیائے سعادت	۲۵
دعائے حضرت انسؓ		۳۲

فی شمارہ: ۱۵ روپے۔

سالانہ بدل اشتراک: ۱۴۰ روپے + ڈاک خرچ

خط وکتابت کا پتہ: مکان p-12 یونیورسٹی کیمپس پشاور۔

حضرت ڈاکٹر فدا محمد

ابتدائیہ

بزرگوں کے سلاسل تصوف کا تعارف اور چرچا تو امت مسلمہ میں موجود ہے، اور ان کی خدمت میں حاضری کا بھی کسی نہ کسی درجے میں رواج ہے۔ لیکن حاضری کی نوعیت درست نہ ہونے کی وجہ سے ان سے پورا فائدہ حاصل نہیں ہو رہا۔ عموماً لوگ اپنی مشکلات کے حل کی دعا، بیماریوں کے لیے دم تعویذ، ان کے با اثر مریدین تک پہنچنے کی سفارش وغیرہ کو مدنظر رکھ کر بزرگان سلاسل کے پاس حاضر ہوتے ہیں۔ اتفاقاً جہاں سے ان کے یہ مسئلے حل ہو جائیں وہاں ان کا اعتقاد بڑھ جاتا ہے، خواہ وہ حضرات کاملین محققین ہوں یا نہ ہوں۔ یہاں ایک لطیفہ یاد آیا کہ بندہ کے ایک محترم دوست اور اسلامیہ کالج کے پروفیسر کے عزیز پاکستان کی ایک بہت اونچی پوسٹ کے لیے کوشش کر رہے تھے۔ ان کو کسی خوش فہم نے بتایا کہ اسلام آباد میں کسی مزار پر کوئی گدی نشین بیٹھے ہیں جو تکوینی سلسلہ کے بزرگ ہیں، ان سے رابطہ کیا جائے۔ یہ صاحب ان داڑھی منڈے "بزرگ" کے پاس گئے اور اپنے کام کے لیے درخواست کی، آگے سے جواب ملا کہ ایک گھنٹے کے بعد "بابا صاحب" بتائیں گے کہ کام ہوا کہ نہیں۔ بزرگ موصوف نے اسٹیبلشمنٹ سیکشن کے ڈپٹی سیکرٹری کو ٹیلی فون کیا اور سائل کی پروموشن فائل کا پوچھا۔ ڈپٹی سیکرٹری نے بتایا کہ ابھی فائل وزیر اعظم سے دستخط ہو کر آگئی ہے۔ چنانچہ سائل جو ایک گھنٹہ بعد گئے تو مذکورہ بزرگ نے بتایا کہ "کام کروا دیا گیا ہے"۔ سب بڑے متاثر ہوئے۔ لیکن بعد میں ڈپٹی سیکرٹری نے ہمارے پروفیسر صاحب کو حقیقت حال بتائی تو بزرگ کی ساری بزرگی کا پول کھل گیا۔ اسی طرح کی ایک ترتیب ہزارہ کے پہاڑی علاقوں میں چل رہی ہے جسے "نفس ساڑنا" (یعنی نفس کو جلانا) کہتے ہیں۔ اس میں آدمی آرام وراحت کو چھوڑ کر، اپنے

آپ کو تکالیف میں مبتلا کر کے ذہنی حالت ایسی بنالیتا ہے کہ اسے آنے والے لوگوں کے کام ہونے یا نہ ہونے کے متعلق کشف ہوتا رہتا ہے، جس کو وہ بتا دیتا ہے۔ آنے والے سائلین کو یہ تسلی رہتی ہے کہ ان بزرگوں نے ہی کام کر دیا ہے۔ حالانکہ وہ صرف کشفی اطلاع دینے والے ہوتے ہیں۔ اس طرح کے لوگ اسلام سے قبل بھی ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک عجیب واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے کا ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ کی والدہ صاحبہ، ابوسفیانؓ سے پہلے کسی اور شخص کے نکاح میں تھیں۔ ایک دفعہ ان کے گھر میں کوئی چور گھس آیا، اوپر سے ہندہؓ آ گئیں، ان کو دیکھ کر چور بھاگ نکلا۔ جب وہ گھر سے نکل رہا تھا تو ہندہؓ کا پہلا خاوند سامنے سے آ گیا، اس کو بیوی پر شک ہو گیا۔ یہ شک دور نہیں ہوتا تھا۔ اس دور میں کاہن ہوا کرتے تھے جن سے جا کر لوگ غیب کی خبریں پوچھا کرتے تھے۔ اپنا مسئلہ پوچھنے سے پہلے وہ کاہن کا امتحان بھی لیا کرتے تھے، اور جو خفیہ بات انھوں نے دل میں رکھی ہوتی تھی یا چھپائی ہوتی تھی پہلے وہ پوچھتے تھے۔ چنانچہ ان کا قافلہ جب کاہن کی بستی کے قریب پہنچا تو انھوں نے اپنے گھوڑے کے پیشاب کے آلے میں گندم کا دانہ چھپا دیا۔ جب وہاں پہنچے تو کاہن سے پوچھا کہ ہمارے پاس کیا راز ہے؟ کاہن نے بتایا کہ تمہارے گھوڑے کے پیشاب کے آلے میں گندم کا دانہ چھپا ہوا ہے۔ ان کو اس بات سے تسلی ہوئی اور پوچھا کہ ہندہؓ پاکدامن ہے یا نہیں؟ کاہن نے جواب دیا کہ پاکدامن تو ہے ہی اور ایک بہت بڑے بادشاہ کی ماں بھی بننے والی ہے۔ اس پر وہ بڑے خوش ہو کر واپس آئے۔ ہندہؓ نے ایسے خاوند کے ساتھ رہنے سے نکار کر دیا جس کو ان کی پاکدامنی پر اعتبار نہ ہو، چنانچہ اس خاوند سے فارغ ہونے کے بعد ان کا دوسرا نکاح ابوسفیانؓ سے ہوا، جن سے حضرت امیر معاویہؓ پیدا ہوئے جو واقعی بہت بڑے فرمانروا ہوئے اور تقریباً ساٹھ لاکھ مربع میل پر حکومت کی۔

اس واقعے کا تذکرہ کرنے سے مقصد یہ ہے کہ اس طرح کی باتین کفار کو بھی حاصل ہو جاتی ہیں۔ آدمی کو چاہئے کہ اہل اللہ کے پاس تربیت اور اصلاح کی نیت سے جائے، صرف مسائل کے حل کے لیے نہ جایا کرے۔ وہ مریدین اور آمد و رفت والے حضرات جو اصلاح اور تربیت کے لیے آتے ہوں اور ان کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوں تو اہل اللہ ان کے مسائل کے متعلق خود ہی متفکر ہو جاتے ہیں، وہ بیان کریں یا نہ کریں، خود ان کے لیے دعا کرتے ہیں اور یہ بات زیادہ مؤثر ہوتی ہے۔ اور نتیجے میں اصلی فائدہ یعنی اصلاح اور آخرت کا فائدہ ملتا ہے اور ضمناً دنیا کے مسائل کا حل بھی بطریق احسن ہو جاتا ہے۔

خود بندہ کی ایک بہت بڑی مشکل اور مصیبت اللہ تبارک وتعالیٰ نے بندہ کے شیخ ومربی حضرت مولانا محمد اشرفؒ کی دعا سے دور فرمائی۔ اس پر عموماً ساتھی بندہ سے کہا کرتے تھے کہ ہمارے لیے ایسی دعا کرواؤ جیسے اپنے لیے کروائی تھی، تو بندہ عرض کیا کرتا تھا کہ یہ دعا حضرت نے بارہ سال کی خدمت کے بعد کی ہے اور بندہ کی درخواست کے بغیر خود اپنی چاہت سے کی ہے۔

ایک اور بات عام طور سے مشہور ہے کہ مشائخ کے پاس خالی جاؤ گے تو خالی واپس آؤ گے۔ اس کی عموماً لوگ یہ تشریح سمجھتے ہیں کہ ہدیے کے بغیر جاؤ گے تو فیض اور قبولیتِ دعا کے بغیر واپس آؤ گے۔ حالانکہ ایسی بات قطعاً نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر اعتقاد اور محبت سے بھرے ہوئے جاؤ گے تو ضرور فائدہ اٹھا کر آؤ گے اور اعتقاد اور محبت سے خالی جاؤ گے تو خالی واپس آؤ گے۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت اخوند درویزہ باباؒ، حضرت پیر باباؒ کی خدمت میں کافی عرصہ کے بعد حاضر ہوئے اور عذر یہ کیا کہ خالی ہاتھ تھا اس لیے نہیں آیا۔ تو پیر باباؒ نے فرمایا کہ میں تو اللہ کا نام سیکھنے والے طالبین کے لیے یہاں

بیٹھا ہوا ہوں ۔ ہدیے اور شکرانے والے لوگوں کو تو اللہ تعالیٰ نے پکڑا ہوا ہے کہ ہماری ضروریات پوری کریں۔ بعض لوگوں کا یہ خیال ہوتا ہے کہ ملاقات کے وقت پہلے شکرانہ دے دیا جائے کہ پھر توجہ زیادہ ہوگی ، تو اس بات کو جان لینا چاہئے کہ اگر دل میں محبت ، اعتقاد اور خلوص نہ ہو تو محض شکرانے سے اہل اللہ کے قلوب متوجہ نہیں ہوا کرتے ۔

☆☆☆☆☆

مفتی حسن صاحبؒ بحوالہ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ کوئی صاحب کسی کے مکان پر گئے اور صاحب خانہ کو پوچھا۔ گھر میں سے جوب ملا کہ گھر میں نہیں ہیں۔ انھوں نے سوال کیا کہ '' کہاں گئے ہیں؟'' اور فوراً ان کو احساس ہوا کہ یہ دوسرا سوال میں نے بے فائدہ کیا اور اپنے اس بے فائدہ کلام کرنے پر ان کو اس قدر صدمہ ہوا کہ عرصہ تک روتے رہے۔

اس پر فرمایا کہ یہ وہی شخص کر سکتا ہے جو لایعنی کلام کی ظلمت سے آشنا ہو۔ بیکار اور لایعنی بولنے سے قلب میں ایک ظلمت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لیے کلام کرنے سے پہلے یہ سوچ لے کہ اس کلام سے کوئی فائدہ بھی ہے یا نہیں؟ فائدہ خواہ دنیا کو ہو یا دین کا۔ اور جس بات کے کرنے سے نہ دنیا کا نفع ہو نہ دین کا اس سے قلب میں ظلمت پیدا ہوتی ہے اس سے احتراز کرنا چاہئے۔

(القول العزیز)

☆☆☆☆☆

اپنے بہترین اوقات کو بہترین اعمال کے ساتھ مزین کرو۔ (حضرت عثمانؓ)

حضرت مولانا احمد اشرفؒ

''اسلام میں مسجد کی اہمیت''

بسم الله الرحمٰن الرحیم

الحمد اللّٰہ وحدہ والصلوۃ والسلام علی من لانبی بعدہ

حضرت محمد ﷺ جو دین لے کر آئے تھے وہ دین دنیا کی وحدت و یکجائی کا مدعی و حامل ہے۔ اسلام میں کلیسا و شاہی محل کی کوئی تفریق نہ تھی بلکہ ان کی مسجد ہی ان کا قصر خلافت اور ان کا منبر ہی ان کا تخت تھا۔ ان کی پوری زندگی مسجد کی بنیاد پر اٹھائی گئی تھی اور ان کی پوری اجتماعی و انفرادی زندگی مسجد کے محور کے گرد گھومتی تھی۔ مسجد صرف ان کی عبادت گاہ ہی نہ تھی بلکہ وہی ان کا دارالامارت تھا۔ وہی دارالشوریٰ تھا وہی بیت المال تھا۔ وہی صیغہ جنگ کا دفتر تھا۔ وہی درسگاہ وہی خانقاہ اور وہی معبد تھا۔ مسجد سے ہی مسلمانوں کی شیرازہ بندی قائم تھی اور مسجد ہی مسلمانوں کے ہر قومی اجتماع کا مرکز تھا۔ اور نماز اس مرکزی اجتماع کی مرکزی رسم تھی۔ حضور ﷺ اور صحابہ کرام کے عصر سعادت میں جب کوئی اہم واقعہ پیش آتا یا کوئی ملی، قومی یا سیاسی یا اجتماعی مشکل پیش آتی یا کسی خاص مذہبی بات کا اعلان کرنا ہوتا تو اصلوٰۃ الجامعہ (نماز جمع کرنے والی کا اعلان کیا جاتا) اور اس اہم اعلان کے بعد سب مسلمان مسجد میں جمع ہوتے تحیۃ المسجد پڑھتے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے اور اس اہم بات سے آگاہ ہوتے اور اخلاص و روحانیت کی اس فضا میں اس معاملہ کے بارے میں اپنے مخلصانہ مشورے پیش کرتے۔ اور اس طرح مسلمانوں کے مذہبی اجتماعی سیاسی مسائل بخیر و خوبی حل ہوتے۔

حضرات! حضور ﷺ اور خلفائے راشدین کے دورِ سعادت و برکت میں مسجد نہ صرف نماز پنجگانہ کی ادائیگی کا مقام تھا بلکہ مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کی بھی سب

سے بڑی درسگاہ و جامعہ تھی۔ مسجد نبوی ملت کا سب سے بڑا فعال ادارہ تھا۔ جہاں ایک طرف اسلامی تعلیم اور قال اللّٰہ و قال الرسول ﷺ کی مسند بچھی ہوئی تھی۔ تو دوسری طرف ذکر و قرآن خوانی کے حلقے قائم تھے۔ تیسری طرف صفہ کا چبوترہ تھا جو اسلام کی مخصوص مجاہدانہ خانقاہی زندگی کا نشان تھا۔ جس منبر نبوی ﷺ سے عبادات و اخلاق ارشاد و تلقین کے موتی بکھیرے جاتے تھے اسی سے حکومت و سیاست کی گتھیاں بھی سلجھائی جاتی تھیں، اقتصاد و تمدن کے نکتے بھی حل ہوتے تھے اور جنگ و سپاہ گری کے اصول بھی بیان ہوتے تھے۔ گویا مسجد نظم ملت اور اسلام کے نظریہ وحدت ملی اور وحدت زندگی کا وہ نکتہ ارتکاز تھا جس سے مسلمانوں کی صلاح و فلاح کی ہر کڑی پیوست اور شیرازہ حیات کا ہر تار بندھا تھا۔ اور مسلمانوں کے دائرہ حیات کے پرکار کا ہر خط اسی نکتہ کے گرد گھومتا تھا۔ اس وجہ سے قرن اول میں اسلامی زندگی کے جتنے شعبے بروئے کار آئے ان کا خام مواد اور اس کے چلانے والے مسجد نبوی کی تربیت گاہ سے وجود میں آئے۔ مسجد نبوی کی ہمہ گیری اور اس کے نظام تربیت کی وسعت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ عصر صحابہ کی علمی، ادبی، مذہبی، عسکری، عدالتی ہر شعبہ زندگی کی مجلّہ عظیم شخصیتیں مسْجد نبوی کے ماحول سے پیدا ہوئیں۔ وہ عبقری (genius) اور عظیم اشخاص جو اس ''جامعہ نبوت'' سے فارغ ہوئے ان کا تنوع اور ان کے کارنامے شاہد ہیں کہ اسلام کا یہ مرکزی ادارہ شخصیت سازی اور مختلف علوم و فنون کی افادیت و اشاعت میں کتنا کامیاب تھا۔ اس درسگاہ کے فارغ التحصیل طلبہ میں اہم حضرات ابوبکر صدیقؓ و عمر فاروقؓ جیسے خلفاء و کشور کشا، حضرت عثمان ذوالنورین اور زید ابن ثابت جیسے ماہرین و جامع قرآن، حضرت علی ابن مسعود و معاذ ابن جبل و ابن عباس جیسے فقیہ و عالم۔ ابو ہریرہؓ عبداللہ ابن عمر، ابوسعید خدریؓ جیسے محدث، ابوذرؓ و سلمان فارسیؓ و ابو درداءؓ جیسے زاہد مرتاض (ریاضت والے)، خالدؓ ابو عبیدہؓ سعد

ابن ابی وقاصؓ نعمان ابن مقرن جیسے شجاع جرنیل و فاتح، عمرو ابن العاصؓ و معاویہؓ جیسے مدبر سیاسی زعماء پاتے ہیں۔ غرض ہر شعبہ زندگی اور طبقہ فکر و عمل کے بہترین قائدین کی ایک روشن مثال ہمیں مسجد نبوی کے ان فارغ طلبہ میں مل جاتی ہے۔ جو اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ مسجد کی یہ مرکزی تربیت گاہ کتنی اہم اور نتیجہ خیز تھی۔ اقبال نے سچ کہا ہے۔

فقیران تا بمسجد صف کشیدند　　گریبان شہنشاہان دریدند

چوں آن آتش درون سینہ فسرد　　مسلمانان بدرگاہان خزیدند

ترجمہ: فقیروں نے جب مسجد میں صف باندھی تو بادشاہوں کے گریبانوں کو پھاڑ ڈالا۔ اور جب سینوں کے اندر کا یہ جذبہ بجھ گیا تو مسلمان دوسروں کے دروازوں پر گیا)

عصر صحابہ کے بعد گو قصر خلافت اور منبر و مسجد جدا ہو گئے، لیکن مسجد کی عظمت و اہمیت و افادیت ہمیشہ مسلمانوں میں مسلمہ رہی۔ چنانچہ مسلمان فاتحین جہاں بھی گئے یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ قصر خلافت سے پیشتر انہوں نے مسجد بنائی اور آج بھی گو ان کی قصور و محلات کی بلندیاں سرنگوں ہو گئیں لیکن ان کی مساجد کے منبر و محراب ان کی دینی محبت اور مسجد سے تعلق پر گواہ ہیں۔ دور صحابہ میں مدائن (کسریٰ کا دارالحکومت) دمشق، حمص، فسطاط، قیروان وغیرہ اور یروشلم میں مسجد عمر اور جملہ ممالک محروسہ میں مساجد کی تعمیر ایک تاریخی حقیقت ہے۔ اموی دور کی صرف دو مسجدیں ہی ان کی عظمت کے لئے کافی ہیں۔ ایک دمشق کی جامع اموی اور دوسری اندلس کا وہ لافنی شاہکار مسجد قرطبہ جس کے جلال و جمال نے شاعر مشرق عظیم فیلسوف اقبال سے وہ وجد آور شاہکار نظم کہلوادی جو ان کی اردو نظمون کا کوہ نور ہے۔ جس میں مسجد کے بارے میں اسلامی نظریہ فکر کی ترجمانی کرتے ہوئے انہوں نے مسجد سے خطاب کر کے اپنے یہ جاودانی اشعار کہے ہیں۔

اے حرم قرطبہ! عشق سے تیرا وجود　　عشق سراپا دوام جس میں نہیں رفت و بود

رنگ ہو یا خشت وسنگ چنگ ہو یا حرف وصوت　　معجزۂ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود!

تیری فضا دل فروز، میری نوا سینہ سوز　　تجھ سے دلوں کا حضور، مجھ سے دلوں کی کشود

تیرا جلال و جمال مرد خدا کی دلیل　　وہ بھی جلیل وجمیل تو بھی جلیل وجمیل

تیری بنا پایدار تیرے ستون بیشمار　　شام کے صحرا میں ہو جیسے ہجوم نخیل

تیرے درو بام پر وادیٔ ایمن کا نور　　تیرا منار بلند جلوہ گہ جبرئیل

مٹ نہیں سکتا کبھی مرد مسلماں کہ ہے　　اس کی اذانوں سے فاش سر کلیمؑ و خلیلؑ

تجھ سے ہوا آشکار بندۂ مومن کا راز　　اس کے دنوں کی تپش اس کی شبوں کا گداز

اس کا مقام بلند اس کا خیال عظیم　　اس کا سرور اس کا شوق اس کا نیاز اس کا ناز

کعبۂ ارباب فن! سطوت دین مبیں　　تجھ سے حرم مرتبت اندلسیوں کی زمیں

اقبال کے یہ اشعار گو مسجد قرطبہ کے بارے میں ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ کم و بیش ہماری ہر عظیم مسجد پر اس کا اطلاق ہوسکتا ہے۔ میں عرض کر رہا تھا کہ جہاں مسلمان فاتح گئے انہوں نے قصر خلافت سے پہلے مسجد کی بنیاد رکھی۔ چنانچہ ہندو پاک میں بے شمار ایسی مساجد پائی جاتی ہیں جن کی ابتدا محمد بن قاسم سے ہوئی اور جن کی انتہا عالمگیر اعظم پر ہوئی، جن کی شاہی مسجد آج بھی لاہور کا تمغۂ امتیاز ہے۔

دہلی میں قطب الدّین ایبک کی بنا کردہ مسجد قوۃ الاسلام اور اس کے فن تعمیر کا عظیم و محیر العقول کارنامہ، قطب مینار، دہلی کی شاہجہان جامع مسجد، اورنگ آباد کی عالمگیری مسجد، مسجد بنارس سرینگر کشمیر کی عجیب وغریب مساجد، بھوپال کی تاج المساجد، ٹھٹھہ (سندھ) کی شاہی مسجد غرض گلگت سے راس کماری تک اور برما کی سرحد سے نوشکی تک آپ بیشمار ایسی مساجد پائیں گے جو مسلمان بادشاہون کی یادگار ہیں۔ خلافت عثمانیہ پانچ سو سال تک مسلمانوں کی سطوت کا نشان رہی۔ استنبول آج دنیا کی عظیم مساجد کا سب

سے بڑا شہر ہے جن میں سلیمان ذی شکوہ کی جامعہ سلیمانیہ اپنی عظمت وجلال وحسن وزیبائی وسعت وشان میں دنیا کی نادرہ روزگار تعمیرات میں سے ہے۔ ترکوں نے دمشق، مصر اور جنوب مشرقی یورپ میں ہر جگہ مساجد بنائیں صرف ایک شہر sarayuvo وسطی یوگوسلاویہ میں ایک سو مساجد ہیں۔ جس میں بعض ترکی فن تعمیر کا اچھوتا نمونہ ہیں جامعہ طولون، جامعہ از ہر پینانگ کی مسجد غرض مشرق سے مغرب تک انڈونیشیا سے مراکش تک مسلمانوں کی مساجد کا آپ کو ایک تسلسل نظر آئے گا۔ جن کا فن تعمیر تنوع کے باوجود اپنے میں ایک خاص یکرنگی اور وحدت رکھتا ہے۔

اس درازنفسی سے مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کی زندگی میں سب سے اہم چیز مسجد ہے۔ جس سے مسلمان کبھی غافل نہیں ہوئے اور جو مسلمانوں کی ملی زندگی کے لئے شہ رگ کی حیثیت رکھتی ہے۔ ہمارے دور زوال میں مسجد کی ہمہ جہتی افادیت محدود ہوکر رہ گئی۔ ضرورت ہے کہ ہم مسجد کے اس اسلامی ہمہ گیر اور ہمہ جہتی نظام کو دوبارہ زندہ کریں۔ مساجد اور ائمہ مساجد کا صحیح مقام ومنصب پہچانیں اور قرون اول کی طرح مسلمانوں کے تعلق کو مسجد کے ساتھ جوڑ دیں اور اسے صرف نماز تک محدود نہ رکھیں بلکہ ہر مسجد تبلیغ و دعوت، تعلیم وتربیت اور ہماری انفرادی واجتماعی زندگی کا مرکز ہو اور ہماری مسجدیں ہماری معاشرتی زندگی کا مرکزی نکتہ ہوں ہمارے دل مساجد مین اٹکے ہوئے ہوں۔ ہم مسجد کی زندگی سے حیات پائیں اور مسجد کی روح ہماری پوری ملی حیات کے رگ وپے میں سرایت کی ہوئی ہو۔ محلّہ کی مسجد سے ہمارے محلّہ کے جملہ ملی اجتماع وانفرادی مسائل کا حل ہو۔ علاقہ کی جامع مسجد علاقے کی زندگی کا سامان ہو۔ شہر کی جامع مسجد پورے شہر کے لئے دینی حیات کا خون اور دنیاوی راحتوں کا ذریعہ ہو۔ غرض پھر سے ہم مسجد کے ساتھ متعلق ہو جائیں کہ جیسا حدیث میں مومن کامل کی مثال دی گئی ہے کہ اس کا دل مسجد میں اٹکا ہوا

ہوتا ہے اور مومن مسجد میں ایسا سرور و چین پاتا ہے جیسا کہ مچھلی تالاب میں۔

اس طویل تمہید کے بعد آج کی اس تقریب سعید پر میں اپنے گہرے اطمینان و مسرت کا اظہار کرتا ہوں اور حکومت شارجہ اور ان کے فرمانروا شیخ عبدالرحمان کا اپنی طرف سے اہل پاکستان کی طرف سے اور خصوصاً جامعہ پشاور کے اساتذہ وطلبا اور دفتری عملہ کی طرف سے تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں اور سراپا سپاس ہوں کہ انہوں نے ہماری یونیورسٹی کی سرزمین کو اس اللہ کے گھر مسجد کی تعمیر کے لئے چنا۔اور سولہ لاکھ کی اتنی بڑی اور خطیر رقم اس کی تعمیر کے لئے عطا فرمائی۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ یہ مسجد صوری اور معنوی ظاہری و باطنی لحاظ سے ان کی توقعات کے مطابق بنے گی اور جامعہ پشاور اور اس علاقہ کی روحانی، مذہبی، اخلاقی، دنیوی اور اخروی زندگی کے لئے سرمایہ سعادت وسامان صلاح و فلاح ہوگی۔ اور رہتی دنیا تک پاکستان صوبہ سرحد، جامعہ پشاور اور اس علاقے کے باشندوں اور شارجہ کے درمیان اخوت ومحبت، تعاون وخیر سگالی کا روشن مینار ہوگی۔ ایک بار میں پھر مہمان خصوصی اور شارجہ کے حکمران مصلیٰ القاب شیخ عبدالرحمان اور حکومت شارجہ کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ والسلام وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین۔

☆☆☆☆☆

حضرت حکیم الامت تھانویؒ فرماتے تھے کہ میں نے عمر بھر لاٹھی کے اس سرے کو جو زمین پر لگتا ہے قبلہ کی جانب نہیں کیا اور عمر بھر روپیہ اور جوتے کو ایک ہاتھ میں اکٹھا نہیں لیا۔ اور عمر بھر روپیہ کسی کی طرف پھینکا نہیں بلکہ دیتے وقت اس کے سامنے رکھ دیا۔ اور عمر بھر ایسا نہیں کیا کہ خود (چارپائی کے) سرہانے کی طرف بیٹھوں اور کھانا پائنتیوں کی طرف رکھوں۔ (القول العزیز)

حضرت ڈاکٹر فدا محمد
ضبط کردہ ڈاکٹر شاکر

اصلاحی مجلس

محترم بھائیو! اور دوستو!......اللہ تعالیٰ نے انسان کو فرشتوں سے مختلف بنایا ہے۔ انسان کے ساتھ نفس ہے اور اسے کھانے پینے، بیاہ شادی، مال و دولت اور حفاظت وغیرہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ تو اس پر طرح طرح کے خیالات اور جذبات طاری ہوتے رہیں گے۔ اور اس کو طرح طرح کے گناہ کے وسوسے آتے رہیں گے۔ حضرت جنید بغدادیؒ کا ارشاد ہے کہ "کوئی بات جب تک تیرے نفس کے اندر ہو تو یہ عیب نہیں ہے عیب تب بنتا ہے جب تو اس کے تقاضے پر عمل کر لے"۔ جب تک تقاضا نفس کے اندر ہوتا ہے اور انسان اس پر عمل نہیں کرتا تو اسے نفس کی مخالفت کرنے کا ثواب مل رہا ہوتا ہے۔

شیطان سب سے پہلے ذاتِ باری تعالیٰ اور توحید کے متعلق وساوس لاتا ہے۔ کبھی انسان کو یہ وسوسہ آتا ہے کہ معلوم نہیں کہ میں مسلمان بھی ہوں کہ نہیں......وغیرہ تو یہ وساوس آنا کوئی عیب کی بات نہیں ہے بلکہ جس آدمی کی ایمانی حالت ترقی کر رہی ہوتی ہے تو اس کو اتنے ہی وساوس زیادہ آتے ہیں، اور شیطان زیادہ مقابلہ کرتا ہے۔ اب آدمی اگر ان وساوس سے پریشان ہو تو شیطان خوش ہوتا ہے، کیونکہ اگر شیطان کچھ بھی نہ کر سکے تو اس کی آخری کوشش یہ ہوتی ہے کہ یہ مؤمن بندہ پریشان تو رہے۔ اسی طرح نوجوان لوگوں کو شہوانی اور شادی بیاہ کے خیالات آتے ہیں تو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم تباہ و برباد ہو گئے۔ حالانکہ جب تک آدمی گناہ کے تقاضے پر عمل نہ کرے تو اس کو گناہ نہیں ہوتا بلکہ اس تقاضے کی مخالفت کا ثواب ہوتا ہے، اور اس کی ترقی ہوتی ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔

ایک اور راستہ شیطان کا یہ ہے کہ آدمی کو مایوس کرتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ تو نیک

مجالس اور مساجد وغیرہ میں جانے کے قابل نہیں ہے۔اس طرح اس کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ آدمی کو نیک ماحول سے کاٹ دے۔جب آدمی مایوس ہو کر صالح ماحول کو ترک کر دیتا ہے تو شیطان کا راستہ کھل جاتا ہے۔حالانکہ آدمی جتنا بیمار ہوتا ہے اس کو علاج کی اتنی ہی ضرورت ہوتی ہے۔ماں باپ کو بھی جو بچہ بیمار ہو اس پر زیادہ شفقت ہوتی ہے،اور اس کی زیادہ فکر ہوتی ہے،اس لیے آدمی سے اگر گناہ ہو بھی جائے تو اسے مایوس نہیں ہونا چاہئے۔اگر چہ دن میں سو بار گناہ ہو تو سو بار توبہ کرنی چاہئے،توبہ تو اس کو کہتے ہیں کہ جب آدمی توبہ کر رہا ہو تو اس وقت سچے دل سے اس کا ارادہ یہ ہو کہ آئندہ یہ گناہ نہیں کروں گا،گو ایک گھنٹے بعد پھر وہی گناہ ہو جائے۔تو آدمی دن میں جتنی بار توبہ کرے گا اسے اتنی بار ہی ثواب ملے گا۔تو ہر انسان کو چاہئے کہ توبہ تائب رہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف بار بار رجوع کرنے والا ہو۔

پھر بعض ساتھی یہ شکایت کرتے ہیں کہ اعمال میں دل نہیں لگتا،طبیعت نہیں چاہتی اور بوجھ آتا ہے وغیرہ۔تو اس سلسلے میں محققین کا یہ قول ہے کہ اعمال بذات خود مقصود ہیں،ان میں دل لگے یا نہ لگے،مزہ آئے یا نہ آئے۔اعمال سے نہ تو مزہ مقصود ہے اور نہ ہی کیفیت طاری ہونا مقصود ہے،یہ تو ثانوی چیزیں ہیں۔جو آدمی سیکھنے والا ہو تو اس کو تو تکلیف ہو رہی ہوتی ہے۔جیسے کوئی سائیکل چلانا سیکھ رہا ہو تو سخت مشقت میں ہوتا ہے،لیکن جب آدمی سیکھ لیتا ہے تو اس کو پھر خوب مزہ آ رہا ہوتا ہے اور اس کا دل لگ رہا ہوتا ہے۔اسی طرح دکان پر بیٹھنے والے آدمی کی آمدنی ہو رہی ہوتی ہے،چاہے اسے مزہ آئے یا نہ آئے۔تو اصل چیز فائدہ ہے جو کہ بصورت اجر ہے۔تو اعمال کرنے والے کو اجر مل رہا ہوتا ہے۔اور اگر آدمی کا یہ خیال ہو کہ وہ ایک ہی دن میں کامل ہو جائے اور اس کو محنت وغیرہ کچھ بھی نہ کرنا پڑے تو ایسا کسی کے ساتھ بھی نہیں ہوتا۔آپ چلیں گے،خطا ہو گی،توبہ

کریں گے، پھر خطا ہوگی ۔ جس طرح کوئی سائیکل چلانا سیکھتا ہے تو کبھی دائیں گرتا ہے تو کبھی بائیں گرتا ہے لیکن پھر اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور کام شروع کر دیتا ہے ۔ جب مقررہ مشق پوری ہو جاتی ہے تو پھر نہیں گرتا ۔ کبھی کبھی پھر بھی گر سکتا ہے، مثلاً سڑک پر پھسلن تھی یا کسی ایسی جگہ پھنس گیا کہ آگے سے بھی آدمی آگیا اور دائیں بائیں سے بھی اور اتنے پریشانی کے حالات ہو گئے کہ گر پڑا ۔ لیکن عام طور پر نہیں گرتا ۔ اس لیے کہتے ہیں کہ کامل ہونے کے بعد بھی آدمی سے خطا ہو سکتی ہے، اجتہادی خطا کا ہونا تو بہت زیادہ ممکن ہے، اور غلط فہمی بھی ہو سکتی ہے ۔ لیکن ایسی خطا سے اللہ تعالیٰ کا تعلق نہیں ٹوٹتا کیونکہ جوں ہی آگاہی ہو جائے تو ایسے آدمی کے فوراً توبہ کرنے کے حالات ہوتے ہیں ۔ تو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے سے اور رونے دھونے سے وہ پہلی خطا بھی معاف ہو جاتی ہے اور پہلے سے زیادہ تعلق مع اللہ ہو جاتا ہے ۔

اگر آدمی یہ چاہے کہ اس پر کوئی جذبات ہی طاری نہ ہوں تو یہ تو کاملین پر بھی طاری ہوتے ہیں، ہاں جو ماہرین ہوتے ہیں ان کو فاسد خیالات جلد زائل کرنے کی مشق ہوتی ہے ۔ جوں ہی خیال آیا تو اسے متبادل خیال سے ٹال دیا اور طبیعت کو دوسری طرف لگا دیا، اس طرح پہلا خیال زائل ہو جاتا ہے ۔ لیکن اگر مشق نہ ہو تو آدمی اپنے خیال کے مزے میں چلتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ ارادہ بن جاتا ہے ۔ لیکن ارادہ پر بھی پکڑ نہیں ہے جب تک کہ عمل سرزد نہ ہو جائے یا آدمی عمل کرنے کی کوشش نہ کر لے ۔ تو وسوسہ کو شروع سے ہی ٹال دینا چاہئے، کیونکہ برے خیال میں مبتلا ہونے سے آدمی کو گناہ تو نہیں ہوتا لیکن قلب کو نقصان ضرور ہوتا ہے ۔ اور پھر ارادہ کے پختہ ہونے سے گناہ میں مبتلا ہونے کا بھی اندیشہ ہوتا ہے ۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ بعض خطا اور نسیان تو اختیاری

نہیں ہوتے لیکن ان کے اسباب اور مقدمات اختیاری ہوتے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی آدمی صبح کے وقت سویا رہ گیا اور نماز قضا ہوگئی تو یہ بات غیر اختیاری ہے لیکن صبح جاگنے کا سبب جو اسے اٹھنے میں مدد دیتا وہ اختیاری ہے۔ اب اگر آدمی دنیا کمانے مین اتنا تھکا کہ صبح اٹھنے کا ہی نہ رہا، یا اتنی مصروفیات اپنے ذمے لگائی ہوئی ہوں کہ باطن میں سکون ہی پیدا نہیں ہوتا کہ اس سے اندر ذکر جمے تو اب اتنی زیادہ مشغولیتوں کو اپنے ذمے سے ہٹانا تاکہ باطن میں سکون پیدا ہو یہ بات آدمی کے اختیار میں ہے۔ اسی طرح خراب ماحول میں جانا، خراب دوست بنانا وغیرہ آدمی کے اختیار میں ہے۔ اگر کوئی خراب مجلس میں جائے تو کوئی روک نہیں سکتا، اور اگر نہ جائے تو کوئی کھینچ کر لے جا نہیں سکتا۔ لیکن اس کے بعد آدمی کے باطن میں اثرات نہ آئیں اور باطن میں بے سکونی اور پریشانی پیدا نہ ہو، تو یہ نہیں ہوسکتا۔ یا آدمی نے خود ایسا لٹریچر پڑھا، اور ایسی تصاویر کو دیکھا تو اس کے اثرات ضرور آئیں گے۔ اب ماشاءاللہ ہمارے ملک میں کوئی اخبار بھی ایسا نہیں ہوتا کہ ہم اسے گھر لا سکیں اور بالغ بچے، بچیوں کے دیکھنے کے قابل ہو۔ ان لوگوں نے عورت کو اشتہار کا ذریعہ بنایا ہوا ہے۔ جنوبی افریقہ میں بے پردگی بہت ہے تو وہاں کے دکاندار و تاجر حضرات نے پوچھا کہ ہم کیا کریں! دکان نہ چلائیں تو کھائیں کیا! اور دکان چلائیں تو نیم برہنہ عورتیں آتی ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ یہ تو بہت آسان بات ہے، سودا بیچتے وقت بات کرنے کی ضرورت ہے دیکھنے کی تو ضرورت نہیں۔ تو نگاہ کو جھکائے ہوئے اس سے بات کریں۔ یہ بات تو آپ کے اختیار میں ہے۔ مزے اور چسکے سے تھوڑا صبر کرنا ہے۔ جب کسی آدمی کو کوئی ڈاکٹر یہ کہہ دے کہ فلاں چیز کھانے میں تمہارا نقصان ہے تو آدمی اس چیز کو باوجود چاہت کے ترک کر دیتا ہے۔ یہ تو دنیا کا ایک عارضی نقصان ہے جس کے لیے آدمی اتنا مجاہدہ کرتا ہے تو جہاں آخرت کا دائمی نقصان ہو اس کو آدمی ذہن میں لا کر نہ چھوڑے تو

کتنے خسارے کی بات ہے!

تو یہ اثرات زور سے نہیں آتے بلکہ ہم خود ان کے اسباب کو اختیار کرتے ہیں۔ ان اثرات سے بچنے کے لیے ذکر کا اہتمام ضروری ہے۔ اگر ذکر صرف آدمی کی زبان پر ہی ہو اور دل میں بالکل دھیان نہ ہو تو یہ ذکر بھی آدمی کے جذبات کو درست رکھنے کے لیے کافی مددگار رہوتا ہے۔ سبحان اللہ ہمارے پاس دعا ہے، ذکر ہے، صلوٰۃ الحاجت ہے، تلاوت ہے ، اللہ کے پیارے نام ہیں، آیت الکرسی ہے اتنی بڑی دولتیں اللہ تبارک و تعالیٰ نے عطا فرمائی ہیں۔ ایک بار پروفیسر عالمگیر صاحب گاؤں گیا تو آیت الکرسی پڑھ کر سارے گھر کا حصار بنا گیا۔ گاؤں سے واپس آیا تو گھر کا تالا ٹوٹا ہوا تھا اور دروازہ کھلا تھا، لیکن ایک تنکا بھی کوئی نہیں لے جاسکا۔ اب ڈاکٹر حضرات یہ کہہ رہے ہوتے ہیں کہ وظیفہ تو ایک نفسیاتی حربہ ہے جو مریض کی توجہ کو دوسری طرف مصروف کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ ذکر کی جو برکت اور رحمت ہے جس کی وجہ سے بگڑا کام بنا اس کا دھیان ہی نہیں جاتا۔ عقیدے کے لحاظ سے یہ بہت ہی گھٹیا سوچ ہے۔ آدمی کو یہ یقین ہونا چاہئے کہ اللہ کا نام لینے سے رحمت نازل ہوتی ہے اور اس کی برکت سے کام بنتا ہے۔ ایک صحابی حضور ﷺ کے پاس آئے اور انھوں نے تنگدستی کی شکایت کی۔ حضور ﷺ نے انھیں ایک دعا پڑھنے کو فرمایا۔ کچھ دنوں کے بعد پھر آئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فراخی کر دی ہے۔ اسی طرح ایک صحابی کفار کی قید میں آگئے، ان کو کفار نے باندھ رکھا تھا۔ حضور ﷺ نے انھیں پیغام بھیجا کہ ''لقد جاءکم رسول الخ'' پڑھیں۔ وہ پڑھتے رہے یہاں تک کہ ایک دن تسمے خود ہی کھل گئے، اور قید سے چھوٹ کر آگئے۔

خیر یہ عرض کر رہا تھا کہ آدمی ان اسباب کو اختیار کر رہا ہو جو باطن میں ہیجان اور پریشانی پیدا کریں، اور پھر یہ بھی چاہے کہ اصلاح بھی ہو جائے تو یہ نہیں ہو سکتا۔ ایک

NGO والوں نے اپنے ایک سیمینار میں مجھے بلایا، وہاں ہر دانشور یہ بحث کر رہا تھا کہ لوگ نشہ آور ادویات کیوں استعمال کرتے ہیں، معاشرے میں سکون نہیں ہے۔ جو پاکستانی NGO کو چلانے والے ہیں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر اعداد و شمار پیش کر رہے ہیں اور بیان دے رہے ہیں کہ معاشرے میں یہ یہ قباحتیں ہیں۔ ہم تو اپنی جان اور وقت کو قربان کرنے کے لیے تیار ہیں، ہم کو پیسہ دو۔ تو اب یہ جو بے غیرت ہے گوشت کی جگہ دال کھانے کو تیار نہیں ہے، اور اگر دال نہیں مل رہی تو سوکھی روٹی کھانے کو تیار نہیں ہے۔ اور بے غیرت کافر کے سامنے بھیک مانگنے کے لیے ہاتھ پھیلا رہا ہے۔ بیچ میں ایک میں تھا اور ایک شعبہ نفسیات کی پروفیسر صاحبہ تھی جو unpaid تھے۔ وہ تھی تو عورت لیکن بہت بہادر تھی، اس نے کہا کہ یہ آپ لوگ کیا کہہ رہے ہیں! آپ لوگ جو پاکستان کی تصویر پیش کر رہے ہیں ایسا قطعاً نہیں ہے۔ تو وہاں جو غیر مسلم تھے وہ کہیں کہ جو بات تم کہہ رہے ہو اس کا ثبوت پیش کرو اور اعداد و شمار پیش کرو۔ واقعی تحقیقی جگہ پر بات ثبوت سے کہنی ہوتی ہے۔ خیر جب میری باری آئی تو میں نے ان سے کہا کہ مین ہر ہفتے کوئی ڈیڑھ ہزار آدمیوں سے ملتا ہوں (جمعہ کا اجتماع، مجالس ذکر، کالج کی کلاسیں، کالج اور گھر میں ملنے کے آنے والے حضرات وغیرہ) میرے پاس تو ان میں سے کوئی ایک بھی نہیں آتا جس کو یہ مسائل درپیش ہوں جن کو آپ لوگ کہہ رہے ہیں۔ تو جو انگریز عورت تھی اس نے کہا کہ "may be your religeous society is not having these short comings" یعنی ''ہوسکتا ہے کہ تمہارا جو مذہبی معاشرہ ہے اس میں یہ قباحتیں نہ ہوں'' خیر وہاں کچھ چالیس سال سے اوپر کے سنجیدہ پاکستانی مرد جو تھے ان سے میں نے کہا کہ بھائی معاشرے میں بے اطمینانی اور ہیجان کیسے پیدا نہیں ہوگا! جبکہ ٹیلی وژن گندگی کو پھیلا رہا ہے، اخبار میں تصاویر ہیں، اور جگہ جگہ فحاشی پھیلانے کے

لیے ویڈیو کی دکانیں کھلی ہیں۔ اگر تم واقعی انسانیت کے ہمدرد ہو تو ان قباحتوں کو روکنے کی کوشش کرو۔ تا کہ یہ قباحتیں درمیان میں سے ہٹیں اور سکون پیدا ہو، اور یہ لوگ جو منشیات کے عادی ہوتے ہیں اور ڈاکے ڈالتے ہیں یہ بات ختم ہو۔ تو ایک جو سنجیدہ آدمی بیچ میں تھا اس نے کہا کہ اگر آپ نے یہ باتیں ان سے کہیں تو یہ کہیں گے کہ یہ قدامت پسند (conservative) آدمی ہے۔ جنوبی افریقہ میں ایڈز پر کانفرنس ہوئی۔ ایڈز وہ بیماری ہے جو یورپ، امریکہ میں بدکاری کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔ اب ہر ایک نے اپنی رائے پیش کی۔ آخر میں ہمارے ایک ڈاکٹر صاحب نے جو سلسلے میں بیعت بھی ہیں کہا کہ اس مسئلے کا تو بڑا آسان حل ہے۔ کیا آپ کی کتاب انجیل میں نہیں لکھا ہوا کہ شادی سے پہلے جنسی حرکتیں کرنا گناہ ہے؟ تو وہ سب خاموش ہو گئے کسی نے کوئی جواب نہیں دیا، نہ ہاں نہ ناں۔ تو مسائل کا جہاں حل ہے اس کو تو یہ لینا نہیں چاہتا۔ یہ تو ایسے ہے کہ آگ بھی جلاتے جاؤ اور پانی بھی ڈالتے جاؤ۔ تو ان اسباب کو ہم خود اختیار کرتے ہیں اور پھر ان کے نتیجے میں جو گندگی آتی ہے اس سے جان نہیں چھڑا سکتے۔ ہمارے ایک ڈاکٹر صاحب نے لکھا کہ پشاور میں جذبات درست تھے، یہاں کراچی میں آکر جذبات بدل گئے۔ تو میں نے ان سے کہا کہ شادی شدہ اور بڑی عمر کے جو لوگ ہیں جن کے جذبات ٹھنڈے ہوں ان کے پاس بیٹھا کرو۔ جب آپ ایسے لوگوں کے پاس بیٹھتے ہیں جن پر فاسد جذبات طاری ہیں تو آپ پر بھی طاری ہو جاتے ہیں۔ انسانوں کی مثال دو بیٹریوں کی طرح ہے۔ جس بیٹری میں کرنٹ زیادہ ہوتا ہے اس سے چھوٹی بیٹری کی طرف بہنا شروع ہو جاتا ہے۔ جس بیٹری میں زیادہ voltage ہے اس کی زیادہ بجلی ہے، اور کم بجلی والی بیٹری اس کے تعلق میں آگئی تو کرنٹ اس میں چلا جائے گا۔ اب آدمی اس کو روک ہی نہیں سکتا اور شخصیت تباہ ہو جاتی ہے۔ بڑے قابل طلباء کو میں نے یہاں اس گندگی کے ہاتھوں

تباہ ہوتے اور خودکشی کے قریب تک پہنچتے دیکھا ہے۔ ہمارے ہاں ایک دفعہ ایک ڈاکٹر صاحب آیا تھا، وہ اپنے نام کے ساتھ لکھا کرتا تھا کہ فلان ایم۔بی۔ایس، ایکس۔جی۔پی لندن۔لوگ سوچتے ہوں گے کہ یہ ایکس۔جی۔پی لندن بھی کوئی ڈگری ہے۔تو پتا چلا کہ اس کا مطلب ہے سابقہ جنرل پریکٹیشنر لندن۔ میں نے کہا کہ اس نے تو وہاں بیس پچیس سال گذارے ہیں اور ایکس۔جی۔پی کیسے ہوگیا! تو معلوم ہوا کہ وہاں انگریز عورتوں کے ہاتھ چڑھا ہوا تھا، وہ اسے کھا رہی تھیں اور سارا خون اس کا چوس لیا، تو وہاں وہ کیا سیکھتا! ہمارا ایک کلاس فیلو تھا اس نے اپنے انگلینڈ کے حالات سنائے۔ بہت گندگی کے حالات تھے۔ میں نے اس سے کہا کہ یہ عمر بہت تھوڑی ہے، بدن میں خون چل رہا ہے اور تجھے ان قباحتوں کا مزہ آرہا ہے۔ جب بڑھاپا طاری ہوگا اور کسی کام کے نہ رہو گے تو کوئی پوچھنے والا نہیں ہوگا۔اس لیے کچھ خون باقی بچا کر پاکستان آجاؤ۔اللہ تعالیٰ نے یہ قوت تجھے گھر آباد کرنے کے لیے دی ہے، کہ تیرے بڑھاپے کا سہارا بنے اور اور تیرے گرد وپیش حفاظت کا ماحول بنے۔تو وہ آدمی میری بات کو بڑے غور سے سن رہا تھا کہ یہ آدمی تو فائدے کی اور حق بات کہہ رہا ہے...... اسکو اللہ نے عمل کی توفیق عطا فرمائی اور ہنستا بستا گھر نصیب ہوا۔

لہذا محترم بھائیو اور دوستو نفس کو اعمال میں لگا کر پابند کرنا ہوتا ہے۔ کچھ عرصہ گھوڑے کو کھینچنا پڑتا ہے، اس کی باگوں کو اور لگاموں کو۔ جو تربیت دینے والا ہوتا ہے پانچ ہزار کا ٹٹو خریدتا ہے، چھ مہینے اس کی تربیت کرتا ہے اور پھر اسے پچاس ہزار میں فروخت کرتا ہے۔اسی طرح نفس کو بھی سدھایا جاتا ہے، اگر سدھایا جائے تو سدھ جاتا ہے۔اب کوئی سدھانے کی کوشش تو کرے، طریقہ تو معلوم کرے۔ بے راہ روی اور معصیت کی جو زندگی ہوتی ہے وہ آخرت کو تو تباہ کرتی ہی ہے دنیا بھی برباد کر دیتی ہے۔ نفس تو بس یہ کہتا

ہے کہ میرا وقتی مزہ پورا کرو، اس کے بعد تم مرتے ہو یا تباہ ہوتے ہو اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ اب کل ہی میرے پاس ایک ڈاکٹر صاحب آیا اور کہنے لگا کہ لوگ شراب پیتے ہیں، گندگیاں کرتے ہیں اور ان کو کچھ بھی نہیں ہوتا۔ اور ہم کچھ بھی نہیں کرتے، نمازیں بھی پڑھتے ہیں پھر بھی ہمارا کام نہیں ہوتا۔ اب میں نے کہا کہ میں اس کو کیسے سمجھاؤں کہ تو ایک لڑکی کے پیچھے پڑا ہوا ہے اس نے ایسی بے برکتی پیدا کی ہے کہ جہاں بھی تو جاتا ہے تمہارا کام نہیں ہوتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ تجھ میں ناشکری ہے، اعتراض ہے۔ ناشکری اور حق تعالیٰ شانہٗ پر اعتراض سے تو آدمی اس سے بھی بدتر ہو جاتا ہے جو ظاہری معصیت میں پڑا ہے۔ حضرت مولانا زکریاؒ نے معصیت کی دو قسمیں لکھی ہیں معصیت شہوانی اور معصیت عقلی۔ بدکاری وغیرہ یہ معصیت شہوانی ہیں اور یہ کم گناہ ہیں بمقابلہ معصیت عقلی کے۔ کبر عقلی گناہ ہے، ناشکری عقلی گناہ ہے، اللہ و رسول پر اعتراض عقلی گناہ ہے۔ اب تجھے میں کیا سمجھاؤں کہ جس کے اندر ناشکری اور اعتراض ہوتا ہے اس کی زندگی ڈانواں ڈول رہتی ہے۔

تو محترم بھائیو اور دوستو اپنی صحبت کو درست کرنا ہوگا، اور صحبت صرف بیٹھنا اٹھنا ہی نہیں ہے، بلکہ تو جس چیز کو دیکھ رہا ہے، سن رہا ہے، جس کو بول رہا ہے، تیرے پاس کونسی کتاب ہے یہ ساری چیزیں مل کر صحبت بنتی ہیں۔ یہاں تک کہ کاملین میں بھی اگر نورانیت کا مکمل خاتمہ نہ ہو تو کمی ضرور آتی ہے۔ غلط مجلس میں جانے سے باطن میں ضعف ضرور آتا ہے۔ یہ ہسپتال والے ڈاکٹر حضرات جب مجھے رمضان میں بلاتے ہیں تو میں اپنے ساتھ دس بارہ آدمیوں کو ساتھ لے کر جاتا ہوں، تاکہ ہمارے ذاکرین پاس بیٹھے ہوں اور ہمیں قوت محسوس ہو، اور معصیت کے اثرات نہ آئیں۔ ورنہ آدمی میں اثرات آتے ہیں۔ تو انشاء اللہ تعالیٰ ذکر اذکار سے قوت پیدا ہوگی اور اعمال صالحہ سے قوت بڑھے گی۔

حضرت ڈاکٹر فدا محمد

کچھ ''ڈارون'' کے متعلق

یہ عرصہ دراز کا واقعہ ہے کہ بندہ کا مانسہرہ جانا ہوا۔ وہاں بندہ کے محترم دوست پروفیسر ہاشمی صاحب (پروفیسر اکنامکس) سے ملاقات ہوئی، انھوں نے فرمایا ''ڈاکٹر صاحب یہاں کچھ طلباء کا ایک گروہ ہے جو لایعنی اور اوٹ پٹانگ باتوں میں مبتلا ہے، دہریت کے خیالات بولتے رہتے ہیں۔ ان سے ملاقات کرکے کوئی بات چیت ہو جائے تو ہوسکتا ہے کہ وہ رخ پر آجائیں''۔ بندہ مع ہاشمی صاحب کے حاضر ہوا، برخورداران نے بات چیت شروع ہونے سے پہلے سوال کیا ''آپ کچھ سائنس مائنس سے بھی واقف ہیں؟'' بندہ نے جواب میں عرض کیا کہ واقف ہوں اور بہت واقف ہوں اور کافی کچھ پڑھا ہوا ہے۔ خیر جب ان سے تعارف ہوا تو بندہ کی جدید تعلیم سے دبے بھی اور بات سننے کے لیے متوجہ بھی ہوئے۔ اور ان کو یک گونہ تسلی بھی ہوگئی کہ بندہ ان سے سائنٹفک طریقے سے بات کرے گا اور ان کی سائنٹفک ترتیب (approach) کو سمجھ سکے گا۔ انھوں نے سب سے پہلا سوال ڈارون کے نظریہ ارتقاء (Darwinism) پر کیا اور نظریے کے ثبوت میں دلائل دیے اور انتہائی معصومانہ انداز میں اس بات کی وکالت کرنے لگے کہ انسان کی ابتدا اسی نظریہء ارتقاء کے مطابق ہوئی۔ ان کی بات مکمل ہونے پر بندہ نے نہایت عاجزانہ عرض کیا ''آپ حضرات نے ڈارون کے نظریہ ارتقاء پر اتنا یقین کرلیا ہے کہ جتنا خود ڈارون کو بھی نہیں تھا''۔ دنیائے سائنس والے یہ جانتے ہیں کہ سائنسی تحقیقات کی ترتیب ایسے ہے کہ جب کسی حقیقت کے بارے میں کسی سائنس دان کے ذہن میں کوئی خیال وغیرہ آجائے تو اس کو سائنسی زبان میں hypothesis کہتے ہیں۔ پھر وہ اس نظریہ کے ماتحت کچھ حقائق جمع کرنے کی کوشش کرتا ہے، اور اگر عملی حقائق

اس کے موافق مل جائیں اوراس بات کی امید ہونے لگے کہ یہ بات بطور حقیقت ثابت ہو جائے گی تو اسے نظریہ (theory) کا نام دے دیا جاتا ہے۔مزید تحقیقات سے نا قابل تر دید ثبوت سامنے آجائیں اور وہ چیز سو فیصد ثابت ہو جائے تو اسے سائنس کی دنیا میں قانون(law) کہا جاتا ہےاوراس کے بعد وہ چیز بطور سائنسی حقیقت کے مانی جاتی ہے ۔

ڈارون کا نظریہ ارتقاء آج تک بطور نظریہ (theory) پیش ہوا ہوا ہے اور ڈیڑھ سو سال گذرنے کے باوجود کوئی بھی اس کو بطور قانون (law) کے ثابت نہیں کر سکا، ڈارون تھیوری میں بھی ایسا کوئی حتمی دعویٰ نہیں کیا گیا کہ ایک جاندار ہیئت بدل کر دوسرے جاندار کی صورت اختیار کرتا گیا اور نہ ہی اس کا کوئی ثبوت فراہم کیا گیا ہے کہ ایک جاندار سے دوسرے جاندار میں بدلتے ہوئے درمیانی واسطے کے جاندار کہیں دیکھے گئے یا کہیں ان کے حجری نقوش(Fossils) ملے۔البتہ ڈارون نے اس بات کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ ایک جاندار سے دوسرا جاندار زیادہ ارتقاء یافتہ نظر آتا ہےاور انسان سب سے زیادہ ارتقاء یافتہ مخلوق ہے۔اب بھی حیاتیات (biology) کے اس مضمون(zoology) کے ساتھ متعلق حضرات اس بات کو جانتے ہیں کہ یہ ایک غیر ثابت شدہ اور فالتو سا ایک نظریہ ہے جو کچھ سائنسی حقائق کو بیان کرنے کے سلسلے میں کبھی کبھی زیر بحث آجاتا ہے۔لیکن جب یہی بات غیر سائنسی اور فاسد خیالات والے لوگوں کے پاس آئی تو انھوں نے اس نا قابل ذکر بات کو عقیدہ بنالیا اور قرآنی عقائد کی طرح اس پر ایمان لانے کی دعوت دینے لگے۔خاص طور سے منکر حدیث مسٹر پرویز کی حماقتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ ڈارون کے نظریہ ارتقاء پر ایمان لانے کی دعوت دیتا رہا۔اور وہ طبقہ جو اپنے آپ کو جدید تو سمجھتا ہے لیکن نہ تو خاطر خواہ سائنسی معلومات رکھتا تھا اور نہ ہی

دینی پختگی، خاص طور سے ان حماقتوں کا شکار ہوا۔ اس جواب کے بعد برخورداران ٹھٹھکے اوران کو اندازہ ہوا کہ جن باتوں کو وہ عالی سائنسی نظریات کی صورت میں لیے پھر رہے تھے وہ تو دنیائے سائنس کے انتہائی بودے تصورات ہیں۔

☆☆☆☆☆

ہیپیٹائٹس بی اور سی کی ویکسین

آجکل طرح طرح کی بیماریاں سامنے آرہی ہیں، جو اس حدیث شریف کا مصداق ہیں کہ جب فحاشی اور بدکاری عام ہوجائے گی تو ایسی ایسی بیماریاں سامنے آئیں گی کہ لوگوں کے باپ دادا نے نہ سنی ہوں گی۔ آجکل ہیپیٹائٹس بی اور سی کا بہت چرچا ہے اوراس کی وجہ سے لوگوں کے ذہنوں پر خوف وہراس کا اثر چھا رہا ہے۔ ہر بیماری کے علاج کے لیے اسباب کا اختیار کرنا تو اچھی بات ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے روحانی اعمال میں مادی مسائل کا حل رکھا ہے۔ فقراء کا ایک مجرب نسخہ ہے اگر اس کو استعمال کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے ان بیماریوں سے حفاظت کی امید ہے۔ وہ یہ ہے کہ ظہر، مغرب اور عشاء کی دوسنتوں کے بعد دو نفل پڑھے جائیں اور دونوں رکعتوں کے دوسجدوں کے درمیان مندرجہ ذیل دیا پڑھی جائے

رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَھْدِنِیْ وَرْزُقْنِیْ وَعَافِنِیْ وَجْبُرْنِیْ

ترجمہ: یا اللہ میری مغفرت فرما، مجھ پر رحم فرما، مجھے ھدایت دے، مجھے روزی دے، مجھے عافیت دے اور میری ٹوٹ پھوٹ کو جوڑ دے۔

☆☆☆☆☆

ماخوذ از کیمیائے سعادت

آدابِ جمعہ

جمعہ کے دن یہ دس چیزیں سنت وادب کی ہیں جنھیں بھلانا نہ چاہیے۔ پہلا تو یہ ہے کہ جمعرات کے دن سے ہی دل اور سامان درست کر کے اِس مبارک دن کا استقبال کرے یعنی سفید کپڑے کا اہتمام، کام کاج سے فراغت تاکہ صُبح کے وقت نماز کی جگہ پہنچ سکے اور جمعرات کے دن ہی عصر کے وقت دُنیا کے کاموں سے خالی اور فارغ ہو کر بیٹھنا اور تسبیح واستغفار میں مشغول ہو جانا اس واسطے کہ اس وقت کی بڑی فضیلت ہے اور اس بابرکت ساعت کی مانند ہے جو اگلے دن جمعہ کو ہو گی۔ دوسرا ادب یہ ہے کہ اگر تو صُبح کے وقت ہی مسجد میں جانے کی عادت ہو تو صُبح ہی غسل کرلے لیکن ایسا نہ ہو تو تاخیر بہت اولیٰ ہے اور جناب رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کے دن کے غسل کی بہت زیادہ تاکید فرمائی ہے یہاں تک کہ بعض علماء نے اس کو فرض لکھا۔ مدینہ منورہ کے لوگ جس کسی کو سخت ترین بات کہنا چاہتے تو یوں کہتے کہ یہ تو اس سے بھی بُرا ہے جو جمعہ کو غسل نہیں کرتا۔ اگر جمعہ کے دن کوئی شخص نجس ہو اور غسل کرے تو بہتر یہ ہے کہ جمعہ کے دن غسل کی نیت سے مزید پانی اپنے اوپر بہالے۔ اور اگر ایک ہی غسل میں دونوں کی نیت کرے تو کافی ہے اور اس سے غسل جمعہ کی فضیلت حاصل ہو جائے گی۔ تیسرا ادب یہ ہے کہ اپنے آپ کو آراستہ و پاکیزہ بنا کر مسجد میں آئے۔ آراستگی و پاکیزگی کے معنی یہ ہیں کہ بال منڈوائے' ناخن کٹوائے' مونچھوں کے بال کتروائے اور اگر حمام میں پہلے ہی جا کر ان کاموں سے فارغ ہو چکا ہو تو کافی ہے اور آراستگی سے مراد یہ ہے کہ سفید کپڑے پہنے۔ اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ کو کپڑے تمام رنگوں کے مقابلہ میں زیادہ محبوب ہیں۔ نیز نماز کی عظمت و تعظیم کی نیت سے خوشبو استعمال کرے تاکہ اس کے کپڑوں میں سے بدبو نہ آئے کہ کوئی رنجیدہ ہو کر غیبت کرے

۔چوتھا ادب یہ ہے کہ علی الصبح جامع مسجد میں جائے کیونکہ اس کی بڑی فضیلت ہے۔اگلے دور میں لوگ چراغ لے کر مسجد میں جاتے پھر بھی اتنی بھیڑ ہوتی تھی کہ مشکل سے گزر ہوتا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ایک دن مسجد میں تشریف لے گئے تو تین آدمی پہلے سے وہاں موجود تھے انھیں اپنے اوپر غُصّہ آیا اور کہنے لگے کہ میں چوتھا آنے والا ہوں میرا انجام کیا ہوگا۔ کہتے ہیں کہ دین اسلام میں جو بدعت پہلے پہل ظاہر ہوئی وہ یہی ہے کہ لوگوں نے اس سنت کو ترک کر دیا۔جب یہودی اور عیسائی ہفتہ اور اتوار کو اپنے اپنے عبادت خانوں میں علی الصبح جائیں تو مُسلمان کا کیا کام ہے کہ وہ تاخیر کرے اور اس سلسلہ میں تقصیر سے کام لے جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص جمعہ کے دن پہلی ساعت میں مسجد میں گیا وہ ایسا ہے جیسے کسی نے اونٹ اللہ کی راہ میں قربان کیا۔دوسری ساعت میں جانے والے کو گائے کی قربانی کا ثواب نصیب ہوگا۔تیسری ساعت میں جانے والے کو بکری اور چوتھی ساعت میں جانے والے کو مرغی کی قربانی کا ثواب حاصل ہوگا اور جو پانچویں ساعت میں گیا اُس نے گویا انڈا خیرات کیا اور جب خطیب خطبہ کے لئے نکلتا ہے تو فرشتے اپنا دفتر سمیٹ لیتے ہیں اور وہ بھی خطبہ سننے میں مشغول ہو جاتے ہیں اس کے بعد جو آتا ہے اسے بجز نماز کی فضیلت وثواب کوئی چیز نہیں ملتی۔پانچوں ادب یہ ہے کہ اگر دیر میں آئے تو لوگوں کی گردنوں سے نہ پھلانگے اس لئے کہ حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص ایسا کرے گا قیامت کے دن اس کو پل بنایا جائے گا تاکہ لوگ اس کے اوپر سے گزریں۔رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو جب ایسا کرتے دیکھا تو نماز سے فراغت کے بعد اسے بلایا اور فرمایا کہ تم نے جمعہ کی نماز کیوں نہ پڑھی۔اُس نے عرض کیا کہ میں تو نماز میں آپ ﷺ کے ساتھ تھا۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ تم لوگوں کی گردنوں سے پھلانگ رہے ہو اور جو شخص ایسا کرتا ہے اُس نے گویا نماز نہیں پڑھی۔ ہاں اگر پہلی صف خالی ہو تو

اس میں جانے کا قصد درست ہے۔اس واسطے کہ پہلی صف کو خالی چھوڑ دینا لوگوں کا قصور ہے۔چھٹا ادب یہ ہے کہ جو شخص نماز پڑھتا ہو اس کے سامنے سے گزرنے سے احتراز کرے کیونکہ ایسا کرنا ممنوع ہے۔اور حدیث میں ہے کہ نمازی کے گزرنے سے بہتر یہ ہے کہ آدمی خاک ہو کر برباد ہو جائے۔ساتواں ادب یہ ہے کہ پہلی صف میں جگہ تلاش کرے اگر جگہ نہ مل سکے تو امام صاحب کے قریب ہو اتنا ہی بہتر ہے کیونکہ یہ بہت فضلیت کا کام ہے لیکن اگر پہلی صف میں لشکری ہوں یا اطلس کے کپڑے پہنے ہوئے ہوں یا خطیب نے سیاہ ریشمی کپڑا پہنا ہو یا اُس کی تلوار میں سونا لگا ہو یا اِس کی کوئی برائی ہو تو جتنا دُور ہو گا اتنا ہی بہتر ہے اس لیے کہ جہاں کوئی برائی ہو وہاں ارادۃً نہ بیٹھنا چاہیے۔آٹھواں ادب یہ ہے کہ جب خطبہ پڑھنے والا نکلے تو پھر کسی قسم کی گفتگو نہ کرے بلکہ مؤذن کے کلمات کا جواب دے اور خطبہ سننے میں مشغول ہو جائے اگر کوئی شخص بات کرے تو اشارے سے اسے چپ کرا دے زُبان سے منع نہ کرے اس لیے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی خطبہ کے وقت دوسرے کو زُبان سے چپ کرائے اس نے بے ہودہ حرکت کی اور اس کو جمعہ کا ثواب نہیں ملے گا۔اگر خطیب سے دُوری کے سبب خطبہ سنائی نہ دے تب بھی خاموشی اختیار کرے۔جہاں لوگ باتیں کرتے ہوں وہاں بیٹھنے سے احتراز کرے اور اس وقت تحیۃ المسجد (شافعی حضرات کے لیے) کے سوا کوئی نماز نہ پڑے۔نواں ادب یہ ہے کہ جب نماز سے فارغ ہو تو سورۃ فاتحہ' اخلاص ، فلق اور ناس سات سات بار پڑھے اس لیے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ان سورتوں کا پڑھنے والا اس جمعہ سے اگلے جمعہ تک شیطان سے محفوظ رہے گا نیز یہ دُعا پڑھنی چاہیے:

اللھم یا غنی یا حمید یا مبد یا رحیم یا ودود اغننی بحلالک عن حرامک و بفضلک عمن سواک .

اور بزرگوں نے کہا ہے کہ جو شخص اس دُعا کو پڑھے گا اسے ایسی جگہ سے روزی ملے گی جو اس کے گمان میں بھی نہ ہوگی اور وہ مخلوق سی بے پرواہو جائے گا۔ پھر چھ رکعت نماز سنت ادا کرے کیونکہ رسول اللہ ﷺ اتنی ہی مقدار میں ادا فرماتے تھے۔ دسواں ادب یہ ہے کہ عصر کی نماز تک مسجد میں رہے تو بہت بہتر ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ یہ امر ثواب میں ایک حج اور عمرہ کے برابر ہے اگر مسجد میں نہ رہ سکے اور گھر چلا جائے تو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ رہے تا کہ وہ قیمتی ساعت جو جمعہ کے دن ہوتی ہے وہ غفلت کا شکار نہ ہو جائے اور اس فضیلت سے محروم نہ رہ جائے۔

جمعہ کے دن کے آداب

انسان کو چاہیے کہ جمعہ کے دن سات فضیلتوں کی جستجو کرے ایک تو یہ کہ صُبح کو عِلم کی مجلس میں حاضر ہو اور قصّہ گو لوگوں سے بچے اور ایسے شخص کی مجلس میں جائے جس کے حال اور جس کی گفتگو سے دُنیا کی رغبت کم ہو اور آخرت کی محبت زیادہ ہو جس کے کلام میں ایسے اثرات نہ ہوں اس کی مجلس عِلم کی مجلس نہیں کہلا سکتی اور جو شخص ایسا صاحب تاثیر ہو اس کی مجلس میں بیٹھنا ہزار رکعت نماز (نفل) سے زیادہ بہتر ہے۔ یہ بات حدیث سے ثابت ہے۔ دوسری فضیلت یہ کہ جمعہ کے دن ایک ساعت انتہائی قیمتی اور معزز ہے حدیث شریف میں ہے کہ ہر شخص اس ساعت میں اللہ تعالیٰ سے جو کچھ مانگے گا اس کی مُراد بر آئے گی۔ اس ساعت کے تعیین میں اختلاف ہے۔ طلوع، زوال یا آفتاب کے غروب ہونے کے وقت اس ساعت کا ہونا منقول ہے یا جس وقت جمعہ کی اذان ہوتی ہے یا خطیب منبر پر آتا ہے یا جمعہ کی نماز کھڑی ہوتی ہے یا عصر کی نماز کا وقت' الغرض صحیح بات یہ ہے کہ اس ساعت کا وقت معلوم و متعین نہیں بلکہ شب قدر کی طرح یہ بھی پردۂ خفا میں ہے کہ تمام دن اس کی جستجو اور تلاش میں رہے اور کوئی وقت اللہ کی یاد اور عبادت سے خالی نہ ہو

۔تیسری فضیلت یہ ہے کہ جمعہ کے دن جناب رسول اللہ ﷺ پر درود بکثرت بھیجے اس لیے کہ جناب آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص جمعہ کے دن مجھ پر اسی بار درود بھیجے گا اس کے اسّی برس کے گناہ معاف ہو جائیں گے لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ کن الفاظ کے ساتھ درود بھیجیں تو آپ ﷺ نے فرمایا۔

اللھم صل عل محمدِ وعلی آل محمد صلوۃ تکون لک رضی ولحقہ اداء واعطہ الوسبہ والفضیلتہ والمقام ال محمود الذی وعدتہ واجزہ عنا ما ھو اھلہ وا جزہ افضل ما جزیت نبیا عن عن امتہ وصل علی جمیع اخوانہ من النبین والصالحین یا ارحم الراحمین.

کہتے ہیں کہ جو شخص جمعہ کے دن سات بار یہ درود پڑھے گا اسے آپ ﷺ کی شفاعت نصیب ہوگی اور اگر فقط **اللّٰھم صِلِّ علی محمد و علیٰ آل محمِدِ** پڑھے تو بھی کافی ہے۔

چوتھی فضیلت یہ ہے کہ اس دن قرآن شریف کی تلاوت بکثرت کرے اور بطورِ خاص سورۂ کہف پڑھے۔ حدیث شریف میں اس کی بہت فضیلت وارد ہوئی ہے اور اگلے دَور کے عباد صالحین کی عادت مبارکہ تھی کہ جمعہ کے دن سورۂ اخلاص، درود شریف، استغفار اور سبحان اللہ والحمدللہ ولا الہٰ الا اللہ واللہ اکبر ہزار ہزار بار پڑھتے تھے۔

پانچواں فضیلت یہ ہے کہ جمعہ کے دن نوافل بکثرت پڑھے اس لیے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو شخص مسجد میں جاتے ہی چار رکعت پڑھے اور ہر رکعت میں ایک بار سورۂ فاتحہ اور پچاس بار سورۂ اخلاص پڑھے تو وہ اس وقت تک دُنیا سے نہیں جائے گا جب تک وہ جنت میں اپنا مقام نہ دیکھ لے یا کسی اور کو نہ بتا دیں کہ وہ اس سے کہہ دے اور مستحب یہ ہے کہ جمعہ کے دن چار رکعت پڑھے اور اس میں یہ چار سورتیں پڑھے انعام

'کہف' طٰہٰ اور یٰسٓ اگر یہ نہ پڑھ سکے تو لقمان' سجدہ' دخان اور ملک پڑھے اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ جمعہ کے دن صلوٰۃ تسبیح ناغہ نہیں فرماتے تھے۔ یہ نماز بہت مشہور ہے اور بہتر یہ ہے کہ زوال کے وقت تک نفل پڑھے اور جمعہ کی نماز کے بعد سے عصر تک علم کی مجلس میں بیٹھے اور مغرب کی نماز تک تسبیح و استغفار میں مشغول رہے۔ چھٹی فضیلت یہ ہے کہ جمعہ کو صدقہ ضرور کرے اور کچھ نہ ہو تو روٹی کا ٹکڑا ہی دے دے کیونکہ جمعہ کے دن صدقہ کی فضیلت بہت ہے جو سائل خطبہ کے وقت سوال کرے اسے زجر و توبیخ بھی جائز ہے اور اس وقت کچھ دینا مکروہ ہے اور ساتویں فضیلت یہ ہے کہ ہفتہ بھر میں جمعہ کا سارا دن آخرت کے لیے وقف کر دے۔ باقی دنوں میں دنیا کے کام بھی کرے۔ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے:

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوۃُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ.

ترجمہ: پھر جب تمام ہو چکے نماز تو پھیل پڑو زمین میں اور ڈھونڈو فضل اللہ کا۔

تو حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ خرید و فروخت اور کسب دُنیا اس آیت کے معنی نہیں بلکہ طالب علم' بھائیوں کی ملاقات و زیارت' بیمار کی عیادت' جنازہ کے ساتھ جانا جیسے کام مُراد ہیں۔

مسئلہ: جو باتیں نماز میں ضروری تھیں وہ بیان ہو گئیں۔ مزید جن مسائل کی ضرورت ہو وہ علماء سے پوچھ لیں کہ یہاں تمام مسائل کی تفصیل نہیں دی جاسکتی۔ لیکن نماز کی نیت میں جو وسوسہ ہوتا ہے بالعموم اس کے سبب تین ہیں یا اُسے وسوسہ ہوتا ہے جس کی عقل میں خلل ہو یا جسے سودا ہو یا جو شریعت کے احکام سے جاہل ہو اور نیت کے معانی سے واقف نہ ہو کہ نیت سے مُراد رغبت ہے جو آدمی کو اللہ تعالیٰ کا حکم بجالانے پر اُبھارتی ہے جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ فلاں اہل علم آرہے ہیں ان کی تعظیم کے لیے اٹھو تو اپنے دِل میں کہے گا کہ فلاں

اہل علم کے علم کی عظمت کی خاطر فلاں کے کہنے سے میں کھڑا ہوتا ہوں اور فوراً کھڑا ہو جائے اور زُبان سے کہے بغیر بھی نیت تیرے دِل میں ہو گی اور جو کچھ دِل میں کہا جاتا ہے وہ نفس کی بات ہے نیت نہیں ہے۔ نیت تو وہ رغبت ہے جس نے تجھے اٹھا کر کھڑا کر دیا لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ نیت کے بارہ میں حکم کیا ہے تو بس اس قدر جاننا چاہیے کہ مثلاً ظہر کی نماز ہو یا عصر کی ہو جب اس سے دل غافل نہ ہو تو اللہ اکبر کہے اور دِل غافل ہو تو یاد کر لے اور یہ خیال نہ کرے کہ ادا اور فرض اور ظہر سب کے معانی مفصل طریق سے ایک بار دِل میں جمع ہو جائیں ہاں جو دِل کے نزدیک ہوا سے باہم جمع کر لے بس اتنی بات نیت میں کافی ہے کہ اگر کوئی یہ پوچھے کہ آپ نے ظہر کی نماز پڑھی؟ تو آپ کہیں گے کہ ہاں! تو جس وقت آپ ہاں کہیں گے اس وقت یہ سب معانی تیرے دِل میں ہوں گے گو مفصل نہ سہی! تو تجھے اپنے آپ کو یاد دلانا اس شخص کے پوچھنے کی مانند ہے اور اللہ اکبر کہنا ایسا ہے جیسے ہاں کہنا۔ اس سے زیادہ کھوج سے دِل اور نماز دونوں پریشان اور پراگندہ ہوں گے۔ اس لیے آدمی کو چاہیے کہ آسان صورت اختیار کرے۔ جتنا بیان ہوا جب اتنی نیت کر لی پھر کوئی سی صورت ہو نماز درست ہو جائے گی۔ اس لیے کہ نماز کی نیت بھی دوسرے کاموں کی نیت کی مثال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ کے زمانہ میں کسی کو نیت میں وسوسہ محسوس نہیں ہوتا تھا۔ اس واسطے کہ وہ اس کو آسان کام جانتے اور جو آسان نہ جانے وہ نادان ہے۔

☆☆☆☆☆

صوفیاء کرام کا قول ہے کہ جو لوگ وساوس اور گھٹیا خیالات و خواطر میں مبتلا رہتے ہیں انھیں ذکر جہری کرنا چاہئے کیونکہ اس میں ان چیزوں کے ازالے کی بڑی قوی تاثیر ہے۔

(مجالس ذکر جہری کا استحباب)

دعائے حضرت انسؓ

(پچھلے شمارے میں بھی یہ دعا آچکی ہے لیکن اعراب واضح طور پر درج نہ ہو سکنے کی وجہ سے یہ مبارک دعا دوبارہ شائع کی جارہی ہے)

بِسْمِ اللّٰهِ وَالْحَمْدُلِلّٰهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ بِسْمِ اللّٰهِ عَلٰى دِيْنِىْ وَنَفْسِىْ بِسْمِ اللّٰهِ عَلٰى اَهْلِىْ وَ مَالِىْ بِسْمِ اللّٰهِ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ اَعْطَانِيْهِ رَبِّىْ بِسْمِ اللّٰهِ خَيْرِ الْاَسْمَآءِ بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّ الْاَرْضِ وَالسَّمَآءِ بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِىْ لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ دَآءٌ بِسْمِ اللّٰهِ افْتَتَحْتُ وَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ لَا قُوَّهَ اِلَّا بِاللّٰهِ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ واللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ الْعَلِىُّ الْعَظِيْمُ تَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ وَرَبُّ الْاَرْضِيْنَ وَمَابَيْنَهُمَا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ عَزَّ جَارُكَ وَجَلَّ ثَنَآئُكَ وَلَآاِلٰهَ غَيْرُكَ اِجْعَلْنِىْ فِىْ جَوَارِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ ذِىْ شَرٍ وَمِنْ شَرِّ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ اِنَّ وَلِيِّىَ اللّٰهُ الَّذِىْ نَزَّلَ الْكِتَابَ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِيْنَ فَاِنْ تَوَلَّوْافَقُلْ حَسْبِىَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝

(کنز الاعمال، جمع الجوامع علامہ سیوطیؒ)